اُستاذ کے لئے چند زرّیں اصول

مفتی محمد حنیف عبدالمجید

استاذ کو چاہئے کہ شاگردوں کے ساتھ خیر خواہی کرے، حضرت تمیم داری نے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا: "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ"

"دین خیر خواہی ہے۔" ہم نے پوچھا کن کے لئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ."

"یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لئے۔"

عامۃ المسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور ان کے فائدے کے کام کئے جائیں ان کو مفید تعلیم دیں اور ان سے تکلیف دہ اسباب کو دور کیا جائے اور ان کے لئے وہی پسند کیا جائے جو اپنے لئے پسند ہو اور ان کے لئے بھی وہی ناپسند ہو جو اپنے لئے ناپسند ہو۔

حضرت انس نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔"

اگر کسی شاگرد کو اُس کی کسی ناشائستہ حرکت پر نصیحت کرنا ہو اور وہ حرکت ایسی ہو کہ اگر سب کے سامنے ظاہر کی جائے تو اسے شرم آئے گی تو اس کو تنہائی میں نصیحت کرے اور بعد میں وہ نصیحت سب کو سنا دے مگر اس شاگرد کا نام نہ لے اس طرز عمل سے اس کو ندامت بھی نہ ہوگی اور نصیحت کا فائدہ دوسروں کو بھی حاصل ہو جائے گا۔

طلبہ کے ساتھ خیر خواہی یہ بھی ہے کہ.....

۱.....اگر طالب علم کے پاس اتنی وسعت نہ ہو کہ وہ تحصیل علم کے ساتھ اپنے قیام وطعام کا خود کفیل ہو سکے تو اس کا حتی الوسع انتظام کرنا چاہئے۔

۲.....سبق کا ناغہ نہ کرے اگر کسی مجبوری سے ناغہ ہو جائے یا کسی طالب علم سے مجبوراً ناغہ ہو جائے تو اس کی تلافی مختلف اوقات میں کرے اگر اس قسم کی بیماری میں طالب علم مبتلا ہے کہ اپنی قیام گاہ سے اس کے پاس نہیں آسکتا تو اس کے لانے کا کوئی انتظام کرے اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو خود طالب علم کے پاس جا کر سبق پڑھا دے اس معاملے میں حضرات سلف صالحین کی زندگی اور ان کی محنت کو سامنے رکھے۔

ربیع بن سلیمانؒ جو کہ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں: ''امام شافعیؒ نے مجھ سے کہا کہ اگر میں تجھے علم گھول کر پلا سکتا تو ضرور پلاتا۔''

۱..... حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ''واللہ! طالب علم اگر میرے پاس نہ آسکیں تو میں خود ان کے پاس جا کر ان کو علم سکھاؤں گا۔'' ایک شخص نے ان سے کہا کہ یہ طالب علم بغیر نیت کے علم حاصل کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ''علم حاصل کرنا ہی نیت ہے۔''

۳..... پڑھا ہوا سبق جب تک طالب علم نے یاد نہ کرلیا ہو اگلا سبق نہ پڑھائے اور آسانی کے لئے پڑھے ہوئے سبق کے متعلق سوالات تحریر کر دیئے جائیں اور دوسرے دن ان سوالات کے زبانی جوابات طلبہ سے پوچھے جائیں ہفتہ میں کم از کم ایک دن علمی سوالات ان سے کیا کرے تاکہ ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔

۴..... اگر کوئی طالب علم ذہین ہو تو دوسرے طلبہ کے ساتھ جماعت بندی کی قید نہ رکھے بل کہ اس کو اس کے ذہن اور استعداد کے مطابق سبق پڑھائے اور اس کے وقت کو ضائع ہونے سے بچائے۔

امام محمدؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ دن کے علاوہ رات کے وقت میں بھی درس وتدریس کا عمل جاری رکھتے تھے لیکن یہ درس عام نہ ہوتا تھا بل کہ جو طلبہ دور دراز سے خاص ذوق لے کر ان کی خدمت میں آتے اور ان کے پاس وقت کم ہوتا تو ان کے لئے یہ وقت رکھا تھا۔

صاحبِ آداب یہ لکھتے ہیں کہ میں نے بھی اپنے اساتذہ کو اس میں بہت شفیق پایا کہ وہ بھی اس قسم کے طلبہ کے ساتھ درس گاہ کے اوقات کے علاوہ میں بھی بڑی محنت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے اساتذہ کا ہمارے ساتھ ایسا ہی معاملہ تھا۔

۵..... اگر کوئی مضمون طالب علم کی سمجھ میں دوران سبق نہ آرہا ہو تو دوسرے وقت اس کو سمجھا دے اس سلسلے میں اگر وہ کسی دوسرے استاذ سے اس کو حل کرنا چاہے تو اس میں ناگواری نہ ہونی چاہئے بل کہ خود ہی کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اتنا ہی معلوم تھا اگر اب بھی سمجھ میں نہ آئے تو کسی اور سے سمجھ لینا یا میں ہی دریافت کر کے بتادوں گا اور اگر اس مضمون کو خود استاذ نہیں سمجھ رہا ہے تو صاف اقرار کرلے کہ میری سمجھ میں اس وقت نہیں آرہا ہے اور کسی وقت سمجھادوں گا اس میں توہین کی کیا بات ہے کوئی ایسا ہے جس کو ہر بات معلوم ہو؟ علم تو بحر بے کراں ہے بشر کی وسعت میں علم کا احاطہ ممکن ہی نہیں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

''اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم میں سے مگر تھوڑا سا۔''

خود نبی اکرم ﷺ کی یہ شان تھی کہ جب آپ ﷺ کو کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا اور آپ ﷺ سے دریافت کیا جاتا تو آپ فرماتے ''لَآ اَدْرِیْ'' (کہ میں نہیں جانتا) یہاں تک کہ وحی آجاتی۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا:

''اَیُّ الْبُلْدَانِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ؟ وَاَیُّ الْبُلْدَانِ اَبْغَضُ اِلَی اللّٰہِ''

''اللہ کے نزدیک بہترین جگہیں کون سی ہیں اور بدترین کون سی ہیں؟'' آپ نے جواب میں ''لَآ اَدْرِیْ'' فرمایا پھر آپ نے جبریلؑ سے پوچھا اور جبریلؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو اللہ کی طرف سے جواب آیا کہ:

''اَنَّ اَحَبَّ الْبِقَاعِ اِلَی اللّٰہِ الْمَسَاجِدُ، وَاَبْغَضَ الْبِقَاعِ اِلَی اللّٰہِ الْاَسْوَاقُ.''

''بہترین جگہیں مساجد ہیں اور بدترین جگہیں بازار ہیں۔''

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''یہ بھی علم میں سے ہے کہ آپ جو نہیں جانتے ہیں اس کے بارے میں کہہ دیں کہ واللہ

اعلم۔"

حضرت امام مالکؒ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا آپ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم یہ جواب سن کر ان کے ایک شاگرد نے کہا آپ نے اپنی لاعلمی کا اقرار کر کے ہم کو شرمندہ کر دیا تو فرمایا کہ ملائکہ مقربین تو اپنی لاعلمی کا اقرار کر کے شرمندہ نہیں ہوئے بل کہ کہا:

﴿سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

"اے اللہ! ہم تو بس وہی جانتے ہیں جو آپ نے سکھا دیا ہے بیشک آپ بہت جاننے والے حکمت والے ہیں۔"

سعید بن جبیرؒ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو کہنے لگے مجھے معلوم نہیں اور ہلاکت ہو اس کے لئے جو علم نہ رکھے اور علم کا دعویٰ کرے۔

حضرت امام مالکؒ نے ابن عباس ؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب عالم "لَآ اَدْرِیْ" کہنا بھول جاتا ہے تو ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔

حضرت ابودرداء ؓ فرمایا کرتے تھے کہ لاعلمی کی صورت میں لَآ اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) کہنا آدھا علم ہے۔ اور حضرات سلف صالحین کے حالات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اگر کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو فوراً لاعلمی کا اعتراف کر لیتے یا دوسرے سے دریافت کر کے جواب دیتے۔

علماء کرام لکھتے ہیں کہ اپنی لاعلمی کی صورت میں لاعلمی کا اعتراف نہ کرنا نقصان دہ ہے کسی طرح بھی مفید نہیں بل کہ بہت بڑا عیب ہے۔

فَاِنْ جَهِلْتَ مَاسُئِلْتَ عَنْهُ وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَكَ عِلْمٌ مِّنْهُ

"اگر آپ ناواقف ہیں اُس سے جو آپ سے پوچھا جائے، اور آپ کے پاس اُس سے متعلق علم نہیں ہے۔"

فَلَاتَقُلْ فِيهِ بِغَيْرِ فَهْمٍ اِنَّ الْخَطَا مِزَرٌّ بِاَهْلِ الْعِلْمِ

"تو بغیر سمجھے اُس کے متعلق کچھ نہ بولیئے، اس لئے کہ غلطی اہل علم سے ہونا بے وقوفی ہے۔"

وَقُلْ اِذَا اَعْيَاكَ ذَاكَ الْاَمْرُ مَالِيْ بِمَا تَسْاَلُ عَنْهُ خَبَرُ

"اور کہہ دیجیے جب آپ کو یہ معاملہ تھکا دے، کہ میرے پاس آپ کے سوال کے متعلق کچھ علم نہیں۔"

فَذَاكَ شَطْرُ الْعِلْمِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ كَذَاكَ مَازَالَتْ تَقُوْلُ الْحُكَمَآءُ

"یہ نصف علم ہے علماء کے نزدیک، اسی طرح برابر حکماء کہتے رہے ہیں۔"

۶.....استاذ کو چاہئے کہ اگر کوئی طالب علم اپنی حالت کی مجبوری کی بنا پر اس کے پاس سے منتقل ہو کر کسی دوسرے استاذ یا کسی دوسرے مدرسے میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں اس کا فائدہ بھی ہو تو دیانت داری کا تقاضہ یہ ہے کہ خوشی سے اُس کو اجازت دے دے محض اپنے حلقہ درس کی رونق یا ادارے میں طلبہ کی زیادہ تعداد دکھانے کے لئے اس کو مت روکیں جس جگہ طالب علم کا جی نہ لگے وہاں رہ کر وہ کیا پڑھ سکتا ہے آخر کار وہ بددل ہو کر یا تو بھاگ جائے گا یا حصول علم ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ جب اپنے آبائی وطن کوفہ پہنچے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کو معلوم ہوا تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ تمہارے پاس عمرو بن دینارؒ کی مرویات کا حافظ آ گیا ہے ان سے جا کر استفادہ کرو۔ چناں چہ امام صاحب کے تلامذہ وہاں جا کر ان سے استفادہ کرنے لگے۔ حضرت سفیانؒ خود فرماتے ہیں کہ مجھ کو سب سے پہلے جس نے محدث

بنایا وہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ بھی خود اخلاص کی علامت ہے کہ کہیں (بطریق شرع) دین کا کام ہوتا دیکھ کر خوش ہو نہ کہ صرف اپنا مجمع بڑھانے کی فکر ہو اگر ہمارے ادارے کے سامنے دوسرا تعلیمی ادارہ کھل جائے تو اخلاص کی علامت یہ ہے کہ طبیعت پر بوجھ نہ ہو بل کہ خوش ہوں کہ اچھا ہے علم کی اشاعت ہوگی۔

۷..... معلّم کو چاہئے کہ اپنے دل کو پاک صاف رکھے کسی طالب علم سے ناخوش ہو کر کینہ نہ رکھے اس سے دل سیاہ ہوتا ہے خود کو اس شعر کا مصداق بنائے۔

آئین ماست سینہ چون آئینہ داشتن　　کفر است در طریقہ ما کینہ داشتن

اور یہ خیال کرے کہ ان طلبہ نے اپنے آپ کو میرے حوالہ کر دیا ہے مجھے ان پر محنت کر کے اور ان کو بنا سنوار کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ یہ میری کھیتی ہے جو آخرت میں کام آئے گی۔ طلبہ کے طفیل اللہ تعالیٰ استاذ کو بڑی خوبیاں عطا فرماتے ہیں بسا اوقات سبق پڑھاتے ہوئے مفید باتیں استاذ کے دل میں من جانب اللہ پیدا ہوتی ہیں جن کا باعث طلبہ کی طلب، پیاس اور اخلاص ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محدث قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کے متعلق ان کے استاذ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کے الفاظ میں ان کو پڑھاتا ہوں حدیث کی روح خود مجھے ان سے حاصل ہوتی ہے اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ اگر مطالعہ میں ایک مضمون سمجھ میں نہیں آیا تو سبق کے وقت بآسانی اس کے مطلب تک رسائی ہوگئی یہ طلبہ ہی کی برکت ہوتی ہے۔

شاگردوں کی طرف سے اگر کوئی خلاف طبیعت بات پیش آئے اور باعث ملال ہو تو ان کو معاف کر دے یہ خیال کر کے کہ ان سے دین کا نفع مجھ کو بہت مل رہا ہے۔ معاف کر دینے سے اللہ پاک کے ہاں قرب بڑھے گا۔

ایک بزرگ کو کسی نے مکار کہا..... مریدوں نے اس کو مارنا چاہا فرمایا: جانے دو کچھ نہ کہو اور میرے ساتھ آؤ گھر لیجا کر ان کو بہت سے خطوط دکھائے جن میں بڑے بڑے القاب لکھے تھے اس کے بعد فرمایا کہ مکار کہنے والے پر اس وجہ سے غصہ ہوتے ہو کہ اس نے غلط بات کہی ہے تو ان القاب کے لکھنے والوں پر بھی غصہ کرنا چاہئے کہ انہوں نے بھی غلط لکھا ہے۔

لہٰذا استاذ یہ سوچے کہ ان سب کے باوجود اس میں ہمارے لئے خیر ہے اور امید ہے کہ ان میں سے کچھ شاگرد ایسے نکل آئیں جن سے اصلاح امت کا کام اللہ تعالیٰ لے لیں اور ہمارے لئے ذریعہ نجات بن جائیں۔

۸..... طلبہ کی تربیت کے سلسلے میں حضرات سلف صالحین کے واقعات اور ان کے زمانہ طالب علمی کے حالات سنانا بے حد مفید ہے۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ طلبہ کی ہر قسم کی حالت درست کرنے میں یہ طریقہ بہت مؤثر ہے۔ کتاب ''المدرس'' میں لکھا ہے کہ دوران سبق خواہ کسی بھی فن کی کتاب ہو طالب علم کے لئے اصلاح کی بات ضرور کیا کرو اور استاذ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کو دینی تعلیم کے سلسلے میں فضائل وغیرہ سنا کر ترغیب دلائے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''اگر مدارس میں تربیت کے سلسلے میں کم از کم یہ ہوتا کہ طلبہ میں دینی شغف پیدا کرنے کی طرف توجہ کی جاتی اور دین کی قدر و قیمت ان کے دل و دماغ میں بٹھانے کی معمولی سی بھی کوشش ہوا کرتی تو یہ نہ ہوتا کہ چار چار، چھ چھ سال ان مدارس میں پڑھ کر جو لوگ درمیان میں کسی بھی وجہ سے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو عموماً یہی دیکھا جاتا ہے کہ وہ کوئی دینی اثر لے کر نہیں جاتے۔''

قاضی شریح کندی متوفی ۸۰ھ کو حضرت عمرؓ نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا، انہوں نے ایک مرتبہ اپنے بچے کو نماز کے وقت کتے کے بچہ سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو مکتب کے معلّم کے نام یہ چند اشعار لکھ کر مہر بند کیا اور اپنے بچے کے

ہاتھ بھیجا، جن میں اس کو سزا دینے کا فیصلہ تھا۔

تَرَکَ الصَّلٰوۃَ لِاَ کْلُبٍ یَسْعٰی بِھَا　　طَلَبَ الْھِرَاشَ مَعَ الْغُوَاۃِ الرِّجْسِ

''میرے بچے نے نجس و ناپاک کتوں کے بھڑکانے اور لڑانے میں نماز چھوڑ دی ہے۔''

فَلَیَاْتِیَنَّکَ غَدْوَۃً بِصَحِیْفَۃٍ　　کُتِبَتْ لَہٗ کَصَحِیْفَۃِ الْمُتَلَمِّسِ

''وہ صبح کو تمہارے پاس صحیفہ لے کر جائے گا۔ جو اس کے لئے متلمس کے صحیفہ کی طرح لکھا گیا ہے۔''

فَاِذَا ھَمَمْتَ بِضَرْبَۃٍ فَبِدُرَّۃٍ　　وَ اِذَا بَلَغْتَ بِہٖ ثَلَاثًا فَاحْبِسْ

''جب تم اس کو سزا دینا چاہو تو آہستہ کوڑے سے مارو۔ اور (آہستہ سے) تین ڈنڈیاں مار کر ہاتھ روک لو۔''

وَاعْلَمْ بِاَنَّکَ مَا اَتَیْتَ فَنَفْسَہٗ　　مَعَ مَا یَجُرُّ عَنِّیْ اَعَزُّ الْاَنْفُسِ

''تم نے میرے فیصلہ پر سزا دی ہے، اس کے باوجود مجھے قلبی تکلیف ہے وہ مجھے بہت محبوب ہے۔''

قاضی شریح کے بچہ نے دو غلطیاں کی تھیں، کتا لڑایا اور نماز ترک کی، اس پر انہوں نے خود سزا نہیں دی بل کہ معلم سے سزا دلوائی اس میں معلم کے لئے لطیف تنبیہ تھی کہ وہ مکتب کے بچوں کی دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ کرے، اور سزا دینے میں بچہ کی معصومیت اور والدین کی محبت کا لحاظ رکھے۔

یاد رکھئے! بچہ مستقبل میں ڈاکٹر بن جائے گا، انجینئر بن جائے گا، عالم/مفتی بن جائے گا، مگر تربیت نہیں ہوگی تو ہر حال میں جس شعبہ میں جائے گا وہاں فساد ہوگا۔

لہٰذا تربیت پر خوب زور دیں، تربیت کی خوب فکر کریں، کہ یہ بچہ/ بچی انسان بن جائیں، پھر مسلمان بن جائیں مسلمان بننا یہ ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان لیں، اس کی ایسی معرفت ان کے دلوں میں بیٹھ جائے گناہوں کی طرف جانے کی ہمت نہ ہو سکے اور ان کے ہاتھوں اور زبان سے سلامتی ہی نکلے، کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

۹.....استاذ کو شاگرد سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرنا چاہئے بغیر کسی مجبوری کے اپنا ذاتی کام اس سے نہ لے اور مجبوری میں اگر کبھی کوئی خدمت لے تو کسی طرح اس کی مکافات کر دے نیز اس کا لحاظ رکھے کہ اس قسم کا کام اس سے نہ لے جس کو وہ سہار نہ سکے یا اس میں اس کے سبق یا تکرار وغیرہ کا نقصان ہوتا ہو کیوں کہ جس مقصد کے لئے اس نے ماں باپ کو چھوڑا اپنا کام چھوڑا وطن چھوڑا ہے جب اس میں حرج واقع ہوگا تو بد دلی پیدا ہوگی اور اخلاص کے ساتھ ہرگز کام نہ کرے گا۔ نابالغ کے وجود اور ذات سے خدمت لینے میں تو بہت سے مسائل ہیں اس لئے حتی الامکان احتیاط کرے اور شرعی حدود اور مسائل پر نظر رکھے۔

امام ابن طاہرؒ جب فن حدیث کی تحصیل کے لئے اپنے اُستاذ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ شیخ خود ہی اپنا سب کام کرتے ہیں بازار سے سامان لاد کر لاتے ہیں۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک دکان سے سامان لیا اور دامن میں سب چیزیں لے کر آئے اور میرے اصرار پر بھی نہ دیا۔ اس وقت ان کی عمر ۷۹ برس تھی۔

ابوالاسودؒ (علم نحو کے سب سے پہلے مرتب کرنے والے) کے حالات میں لکھا ہے کہ آخیر عمر میں ان پر فالج گرا اور اس کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں ماؤف ہو گئے تھے، اس معذوری کی حالت میں بھی پاؤں سے گھسٹتے ہوئے بازار جاتے اور اپنا کام کر لاتے حالاں کہ ان کے ہزاروں شاگرد تھے۔

امام بخاریؒ شہر بخارا کے باہر ایک مہمان خانہ بنوار ہے تھے اور مزدوروں کے ساتھ خود بھی کام کرتے تھے۔ ایک شاگرد نے عرض کیا آپ کو اس محنت کی کیا ضرورت ہے، ہم لوگ موجود ہیں؟

فرمایا: ھٰذَا الَّذِیْ یَنْفَعُنِیْ ''یہ بات مجھے بھی نفع دیتی ہے۔'' جب ایسے جلیل القدر ائمہ کرامؒ اپنا کام خود کر لیا

کرتے تھے یا تعاون کرتے تھے تو ہمیں بھی اپنی اور اپنے گھر والوں اور عام انسانوں کی خدمت خود کرنی چاہئے۔ کوشش کرنی چاہئے کہ پانی بھی پینا ہو تو کسی سے مانگے نہیں خود جا کر پانی پی لے جب شاگردوں سے کام کروانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو نفس امارہ پھر سستی وغفلت کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور ایسے اشخاص بڑھاپے سے بہت پہلے بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت مولانا منظور احمدؒ مدرس مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ سے مکان جاتے ہوئے اپنا سامان خرید کر خود ہی لے جاتے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن مفتی اعظم اور ولی کامل تھے۔ دیوبند میں مدرسہ میں تشریف لیجانے سے قبل محلے کے ضعفاء سے گھریلو سودے کے پرچے لے جاتے اور سودا گھر گھر پہنچاتے تھے۔

حضرت مولانا ظریف احمد صاحبؒ باوجود پیرانہ سالی کے اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے اور طلبہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

ان سب سے بڑھ کر خود نبی کریم ﷺ اپنا کام خود اپنے دست مبارک سے فرمایا کرتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے، پھٹا کپڑا سی لیتے نعلین مبارک ٹوٹ جاتے تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، اپنے کام کے لئے دوسروں کو تکلیف نہ دیتے۔ خندق کھودنے میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے، مسجد کی تعمیر میں آپ نے حصہ لیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ لکھ رہے تھے اور سیاہی ختم ہوگئی، خود ہی اٹھے اور قلم کی سیاہی لی، اور دوبارہ لکھنے میں مصروف ہوگئے۔

ایک مہمان بیٹھا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا، مہمان نے سوال کیا کہ آپ کسی غلام کو یہ حکم دے دیتے وہ یہ کام کر دیتا فرمایا:

خادم ابھی ابھی سویا تھا اور اس کی نیند خراب کرنا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

مہمان نے کہا! مجھے ارشاد فرما دیتے، فرمایا: ہمارے ہاں مہمان سے خدمت لینا عیب شمار کیا جاتا ہے، اور فرمایا میں نے خود ہی یہ کام کر لیا تو کیا ہو گیا، میری کوئی شان میں کمی تو نہیں آئی۔

"ذَهَبْتُ وَأَنَا عُمَرُ، وَرَجَعْتُ وَأَنَا عُمَرُ، وَخَيْرُ النَّاسِ مَنْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ مُتَوَاضِعاً."

"میں جب گیا تھا تب بھی عمر تھا، اور واپس لوٹا تو بھی عمر ہی رہا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے جو متواضع ہو۔"

لہٰذا آج سے یہ نیت کریں کہ ہم اپنے تمام کام خود ہی کریں گے، اس سے بدن چست بھی رہتا ہے، پھرتیلے پن کی عادت رہتی ہے، کئی بیماریاں دور ہونے کا سبب بنتا ہے، ورنہ جو اساتذہ کرسی اور گدی پر بیٹھے ہی رہتے ہیں، وہ بہت جلد بیماریوں کے صاحبؒ نے "رسالہ اسٹرائک" میں لکھا ہے (جو دیکھنا چاہے وہاں دیکھ لے) اسی طرح ایک استاذ کا دوسرے اُستاذ کو ادارہ یا مہتمم یا کسی اور اُستاذ کی برائی خیر خواہی کی نیت سے بھی نہیں بتلانی چاہئے اور نہ دوسرے اُستاذ کو سننا چاہا اس سے انفرادی اجتماعی نقصان ہوتا ہے۔

غیبت، چغلی، کسی کی پردہ دری، افتراق بین المسلمین تو عوام کے لئے بھی ناجائز اور حرام ہیں تو پھر علماء اور اُمت کے مقتداء، راہ نمایان قوم واساتذہ کے لئے یہ حرام کام کس طرح جائز ہوں گے۔

اسکولوں اور مدارس میں جب اس قسم کی برائیاں آتی ہیں اور اساتذہ ایک دوسرے کی برائی میں لگ جاتے ہیں تو اس کا اثر طلبہ پر بھی بہت بُرا پڑتا ہے۔

پھر جب یہ استاذ خود مہتمم یا پرنسپل بن جاتے ہیں تو چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں کہ کتنا سکون تھا صرف استاذ

ہونے کی ذمہ داری تھی وہ صحیح نہ نبھ سکی اور پرنسپل اور مہتمم اور مسجد کی کمیٹی والوں پر اعتراضات اور ان کے عیوب اور نقائص ڈھونڈ کر اُچھالنا میرا کام تھا، اب خود جب میرے سر پر آئی تو پتا چلا کہ پرنسپل و مہتمم بننا اور ان شعبوں کی ذمہ داری لینا اپنے آپ کو جلد بڑھاپے تک پہنچانا ہے۔

ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ اُستاذ جب طلبہ اور عوام کے سامنے دوسرے اساتذہ کی بُرائیاں بیان کرتے ہیں تو یہ غیبت ہوتی ہے اور غیبت کے گناہ سے دل مردہ ہو جایا کرتا ہے اور رہی سہی نیکیاں بھی ان کے اعمال نامے میں چلی جاتی ہیں، جن کی غیبت کی ہے۔ اسی لئے کسی عاقل کا قول ہے (کمال مبالغہ کے ساتھ کہ) ''اگر میں غیبت کروں تو اپنی والدہ کی کروں تاکہ میری نیکیاں ان کے نامہ اعمال میں چلی جائیں۔'' یعنی اعمال خیر کا منتقل ہونا اس قدر یقینی ہے کہ بتانے کے لئے یوں فرمادیا۔

لہٰذا جس ادارہ میں آپ ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں اور وہاں کسی کا کوئی عیب یا کوتاہی سامنے آئے تو اس کے لئے دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے اس کوتاہی کو دور فرمادے%۔ اور جو بھی آپ سے ہوسکتا ہے مثبت انداز میں اور سوچ سمجھ کر اس میں اپنی طرف سے تعاون فرما کر اس کوتاہی کو دور کرنے کی کوشش ہے۔ لیکن للّٰہ ایسا قدم نہ اُٹھایئے جس سے ادارے کو نقصان پہنچے۔ حضرت عیسیٰ نے ایک مرتبہ اپنے حواریین سے فرمایا کہ بتاؤ اگر تمہارا کوئی بھائی اس حالت میں سڑک پر برہنہ پڑا ہوا ملے کہ اکثر بدن اس کا کھلا ہوا ہو تو تم اس کو ڈھانکو گے یا مزید اور برہنہ کردو گے؟ سب نے پہلی صورت کو صحیح بتایا تو فرمایا کہ پھر اگر کسی کا کوئی عیب سامنے آتا ہے تو اس کو بھی چھپانے کی بجائے مزید کوتاہیوں کا تذکرہ کیوں کرتے ہو۔

☆☆☆

اقوال زریں

.....اچھے کام کی فکر بھی موجب ثواب ہے۔

.....اگر کسی حسین کی طرف میلان ہو تو یہ تصور کرنا چاہئے کہ حقیقی جمیل حق سبحانہٗ ہے اور دوسری طرف نظر نہ کرنا چاہئے۔

.....مداومت عمل پسندیدہ ہے اگرچہ کم ہو۔

.....کسی کام میں رسوائی کا خیال بھی حجاب ہے۔

.....اگر ضروری اعمال پر مداومت ہو تو دل نہ لگنا قابل ملامت نہیں۔

.....احباب کے ساتھ خوش طبعی مفید ہے اگر معتدل ہو۔

.....اگر معاصی سے احتیاط کی توفیق میسر ہو تو کسی حال کی فکر نہ کرے۔

.....نام کے ساتھ بلاضرورت کسی لقب کا زیادہ کرنا اہل تفاخر کا شعار ہے۔

(از ملفوظات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)